www.mahraka.com

دیباچه

کیا خوب کہا ہے ایک دانا سخنور نے(اس کی روح پر رحمتوں کی فراوانی ہو)

که خدا میرے حمد کے انتظار میں نہیں اور نه محمد میری ثناء کے لیے چشم براہ ہیں۔

ان کے لیے بس یہی کافی ہے که محمد خدا کا حامد ہے اور خدا شان مصطفےٰ کا مداح۔

ایک لاشئے مخلوق کو کہاں زیب دیتا ہے که وہ خالق کی حمد کرے۔

اس کی ذات پاک تک ادراک کی بھلا کہاں رسائی ہے۔

پس اے دل، تو تلاش کر نفس و افاق کی گہرائیوں میں ڈوب کر اپنی جهل کے زہر کا تریاق۔

پر میں تو نفس کے اسرار سے اگاہ نہیں۔ اس ایوان عالی میں میری رسائی کہاں۔

اس لیے عالم مادی پر ایک مختصر سی بحث کرنے جارہا ہوں ، اور اس کے کذب و صدق کا معامله اللہ پر چھوڑتا ہوں۔

فہرست مضامین

۱۔ دیباچہ

۲۔ افتتاحیہ: دو ابواب پر مشتمل ہے ، مقصد تالیف کتاب اور نظام انجم

۳۔ حصہ اول: چار ابواب پر مشتمل ہے، آغاز عالم سے لے کر ظہور حیات تک

:۴ تتمہ حصہ اول

:۵ حصہ دوم: چار ابواب پر مشتمل ہے۔ آغاز حیات سے لے کر انسان کے عروج تک ۔

:۶ تتمہ حصہ دوم

:۷ ضمیمہ: قصہ آدم اور ادیان کے بیان میں۔

افتتاحیه

سخن از مطرب و مئے گوئی و راز دہر کم جو

که کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را

فصل اول

بیان دور جدید میں سائینسی علوم کی ترقی اور انکشافات کا

یُوتی الحمۃ من یشاء و من یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔ و ما یذکر الا اولو الباب۔

میں ایک دن آغاز کتاب کی فکر میں غرق تھا اور دل یاس و رجا کے سمندر میں غوطه زن تھا ۔

که میرے خیال کی دنیا میں حافظ شیرین مقال[1] تشریف لائے۔

حافظ جو اہل سخن کی مجلس کے شمع فروزان ہیں اور جن کا کلام اہل دل کے لیے شراب کا درجه رکھتا ہے۔

فرمایا " پیران کہن کی نصیحت سُن ، اور رازِ افلاک میں گفتگو مت کر۔

یه معما ایسا نہیں جو عقل سے حل ہو سکے۔ اس لیے اس میدان میں تیری سعی لاحاصل ہے۔

اور دیکھ، اس راہ میں تیرا پیشرو بھی تو کوئی نہیں۔ ایسے میں کیوں اپنی فکر کو ضائع کرنے پر تلے ہوئے ہو۔

اور اگر شاعری ہی کرنا ہے تو یاد رکھ که مئے و مطرب کی باتیں ہی شاعری کا اصل موضوع ہیں۔ حسینوں کی انکھوں میں کھو جا که ان میں جادو ہے۔

گرد و پیش کی فکر چھوڑ دے که اس سے درد سر کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بس لبِ ساقی سے آب حیات طلب کر، که درد سر کا یہی ایک علاج ہے"۔

میں نے حافظ عالی جناب کی نصیحت سن کر اپنے ارادے کو ترک کردیا اور سکون کی نیند سو گیا۔

لیکن خواب میں میں نے دیکھا که ایک فرشته آسمان سے اترتا ہے، جس کے نور سے تمام عالم روشن ہوجاتا ہے۔

فرشته یوں گویا ہوا "بول، تو کب تک حقائق سے جی چراتا رہے گا۔ تیری یہ کاہلی تیرے لیے باعث صد ذلت ہے۔

اُٹھ ، میں تیرے لیے اہل جنت کا پیغام لایا ہوں۔ غزالی[۲] اور رازی سلام کہتے ہیں۔

بو نصر[۳] اور بو علی[۴] انتظار میں بیٹھے ہیں ۔ جبکہ ایران شہری[۵] کی روح فرط سرور سے رقصاں ہے۔

مرشد رومی[۶] تجھے مثنوی کے وزن و بحر کے استعمال کی اجازت مرحمت کرتے ہیں۔

مرد مومن کی معرفت کے لیے "رب زدنی علماً" عطا ہوئی ہے۔

نومیدی صراط مستقیم نہیں۔کہ ہر ذی علم کے اوپر سب سے بڑا علم والا جو موجود ہے (امداد اور رہنمائی کے لیے)۔

تیرا کام تو بس کشف اسرار ہے اور تجھے فکر رسا کے سوا کسی اور رہبر کی کیا حاجت۔

(اور جہاں تک جناب حافظ کے مشورے کا تعلق ہے) تجھے تو شاعری کا کوئی خاص ذوق بھی نہیں۔ تو بتان آذری کی تعریف کیونکر کر سکے گا۔

بس تو داناوں کے اقوال نقل کیا کر ، پھر کہہ کہ" واللہ اعلم بالصواب"۔

حقیقی علم کی گہرائیوں تک کون پہنچ سکتا ہے سوائے رب ذالجلال کے۔

(پھر میں نے سوچا) لیکن یہ مادی عالم بھی تو ایک بحر ناپید کنار ہے، اور میرا علم ایک قطرے سے بھی کم۔

اس حافظ صاحب ہنر نے سچ ہی کہا تھا کہ خلقت کے راز سر بسر کوئی نہیں جان سکتا۔

لیکن اگر اس کے بقول تو یہ دنیا ایک معما ہے، اور رہے گا۔ (پھر جستجو کا کیا فایدہ؟

(لیکن پھر ہمت بندھی) ہمیں حافظ کو معذور سمجھ کر معاف کردینا ہوگا ، کیونکہ ہر زمانے کے عقل کے معیارات مختلف ہوتے ہیں۔

مثلاً ان کے زمانے میں علمِ ارض کی حالت ویسی نہیں تھی جو آج ہے۔ ان کے لیے تو زمین کی سطح کی شکل ہی ایک معما تھی۔

ملک امریکہ جو کہ دنیا کا دوسرا رخ ہے، ان کے لیے معدوم تھا۔

ان کا عقیدہ تھا کہ خط استوا سے جنوب کی طرف زندگی محال ہے۔

استوا سے لیکر شمال میں چین و روس تک، بس یہی ربع مسکون کہلاتی تھی۔

ہمارا علم اسی خطے تک محدود تھا اور اس سے باہر جانے کے راستے مسدود تھے۔

لیکن حافظ کی نصیحت پر کسی نے کان نہیں دھرا۔ (اور اسی محدود علم کی بنیاد پر) قیاس آرائیاں کرتے رہے۔

ایک نے کہا کہ دنیا ایک وسیع صحرا ہے۔ اور دوسروں نے اس کی تردید کی۔

آسمان کو خدا نے بے ستون بنایا تھا، لیکن میری قوم نے اس کے نیچے کوہ قاف کا ستون نصب کیا۔

کسی میں دم نہیں تھا کہ کمر ہمت باندھ لے اور زمین کے گرد گھوم کر اصل حقیقت معلوم کرے۔

بس گفتگو کی محفلیں سجائے بیٹھے رہے، اور قوم کو غفلت کی نیند میں ڈالے رکھا۔

صبح و شام کی گردش اور موسموں کے چکر کو دیکھ کر اہل فکر محو حیرت تھے اور عامی کی ہمت جواب دے چکی تھی۔

عالم کی تخلیق کا ذکر تو دور کی بات، ہماری اپنی زمین کے آغاز کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔

اور اگر کسی مرد حکیم پر کچھ راز کھل بھی جاتے، تو خوف فساد خلق سے انہیں سینے میں دبائے رکھتا۔

زمین کے اندر کی آگ کا کس کو علم ہوتا اور اس پر کون بحث کرتا۔

زمین کی تخلیق، کوہساروں، وادیوں، دریاوں اور صحراوں کی تشکیل،

خشکی کے جانداروں کی انواع، سمندروں کے ماہی و نہنگ،

زمین پر رینگنے والی مخلوق ، ہوا میں اُڑتے پرندے،

کوہ و میدان میں پھیلے جنگل اور پھلوں سے لدے درختوں کے باغ ،

ہستی کی یہ صورت کیوں کر متشکل ہوئی اور زندگی کی یہ رنگین ردا کیسے بُنی گئی۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زندگی اتنی متنوع کیوں ہے؟------

اب سے پیشتر کسی نے یہ سب کچھ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔

سورج، سیارے اور ستارے، یہاں تک کہ ہمارا قریبی پڑوسی چاند بھی ہماری توجہ کا مستحق نہیں بن سکا۔

ہمارے لیے یہ سب کچھ ایک دبیز پردے میں لپٹا رہا۔ اور ہم ایک گہرے خواب میں پڑے رہے۔

ہمارے لیے حقائق پر بحث کرنا مشکل سے مشکل تر ہوتا گیا۔ اور حیرت پر حیرت کا اضافہ ہوتا گیا۔

ہم نے علم و ہنر کو چھوڑ دیا اور جہل قدیم کا پرچم تھام لیا۔

شہریاروں نے فقط جنگ و جدل کے ذوق کو فروغ دیا اور علم و فن کو دلوں سے زائل کردیا۔

انہوں نے خون مردم کو اپنے پر حلال کئے رکھا اور دین کو صرف افسانوں تک محدود کردیا۔

نفس و آفاق میں راز حق کی جستجو کی بات ، نقارہ جنگ کے شور میں دب کر رہ گئی۔

مسلمانوں کا لگایا ہوا حکمت کا پودا، غوغائیوں کے پاوں تلے روندا گیا۔

ہر طرف جہل و نادانی کا راج ہوگیا اور ہر بیہودہ سوچ رکھنے والا اہل الرائے قرار پایا۔

کلام اللہ کی تفسیر کی بنیاد قدیم حکایات پر رکھی گئی۔

قرآن مبین جو کانِ حکمت ہے، اس سے مسلمان غافل ہوگئے۔

کتاب حق کے رازوں کو جاننے کی کوشش چھوڑ کر ہم یونانیوں کے پیچھے پڑ گئے۔

حالانکہ قران کامل اور فلسفہ یونان ناقص ہے۔

ہم افلاطون و ارسطو[8] کے پرانے علم کو خشک سرکنڈوں کی طرح جلا کر ان کی آگ تاپتے رہے۔

دوسری طرف جوانانِ فرنگ کی جدوجہد سے علم انسانی بلندیوں کو چھو رہی تھی۔

اب تو وہاں یہ حال ہے کہ ہر کسی کو ان باتوں کا علم ہے جو فارابی کی پہنچ سے باہر تھیں۔

جو مسئلہ افلاطون کے لیے مشکل تھا اب اس کی شرح ایک طفل مکتب کر سکتا ہے۔

لوگ زمین کے گرداگرد پھر گئے اور ان کے لیے اس کی شکل و ساخت کو سمجھنا کوئی مسئلہ نہیں رہا۔

ان معلومات کا ایک معمولی حصہ جو زمیں کی پیمائش سے متعلق ہے ، میں یہاں بیان کر رہا ہوں (تاکہ دور جدید کی وسعت معلومات کا اندازہ ہوسکے)

زمین کا محیط ٹھیک چوبیس ہزار نو سو میل ہے۔

جب کہ اسکا قطر سات ہزار نو سو سترہ میل ہے۔

زمین کا کل رقبہ نو کروڑ ستر لاکھ تینتیس ہزار میل ہے۔

جو خشکی اور سمندروں کے مختلف قطعات میں بٹی ہوئی ہے ۔

اس میں سے چودہ کروڑ انیس لاکھ ستر ہزار میل زیر آب ہے ۔

جبکہ خشکی کا رقبہ پانچ کروڑ پچاس لاکھ ترسٹھ ہزار مربع میل ہے۔

اس خشکی میں سے بھی ساڑھے ستائیس لاکھ میل قطبین کی برف سے ڈھکی ہوئی ہے۔

اب ہر مبتدی بھی جانتا ہے کہ ہمارے کرہ ارض کے مختلف منطقوں کی آب و ہوا کس قدر مختلف ہے۔

استوا پر سارا سال موسم بہار رہتا ہے جبکہ قطبین پر برف ہی برف۔

امریکہ کی شام ہماری صبح ہوتی ہے اور ہماری گرمیاں نصف کرہ جنوب کی سردیاں۔

(یہ تو زمین کی سطح کی بات ہے، ہم یہاں تک جانتے ہیں کہ) زمین کے اندر اتنی حدت ہے کہ سنگ و آہن پگھلی ہوئی حالت میں ہیں۔

اور دوسری طرف اجرام فلکی کے بارے میں معلومات بھی پہلے کی نسبت کہاں سے کہاں تک پہنچ گئیں۔

دوربین نے دوریاں مٹادین ، اب چاند کی سطح کے بارے میں سارے شکوک و توہمات مٹ گئے۔

اب تم خود دوربین سے چاند کو دیکھ سکتے ہو۔ اسطرح کہ اس کے کوہ و دشت صاف نظر آتے ہیں۔

اب تو ایک حکیم[9] کی جد و جہد سے ادوار قدیم کے راز بھی حل ہو گئے۔

اس نے ارتقا کے وہ راز منکشف کردیے جن پر اب تک پردہ اخفا پڑا ہوا تھا۔

مغرب نے اندلس سے علم و فن کے گر سیکھے اور اپنی ذہانت اور محنت سے ان کو ترقی دے کر کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

ان لوگوں نے زمانے بھر کے مسائل کا حل تلاش کر لیا۔ ایک ہم ہیں کہ ہم سے اب تک وضو کے مسائل حل نہ ہو سکے۔

ہم چھوٹے بچوں کی طرح اپنی ہی گلی میں گھومتے رہے۔ ایسے میں کیونکر منزل تک پہنچتے۔

وہ پرندوں کی طرح ہوا میں اُڑ گئے اور ہم کبر و بعض اور کینہ میں لت پت، لوٹتے رہے۔

لیکن یہ حکیم تو عمروں کی جد و جہد کے بعد ہی کچھ رازوں پر سے پردہ اٹھانے کے قابل ہوئے۔ جبکہ ہمارے پاس یہ سارے راز قران میں کھلے پڑے تھے۔

قران کے اعجاز کا کچھ حصہ میں ان اوراق میں لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

ادوار قدیم کے اسرار کے بارے میں مجھے قران میں جو کچھ نظر آیا وہ پیش ہے۔

حکمت کی بات کی قرآن میں تلاش ایسا ہی ہے جیسے لعل کو بدخشان میں تلاش کرنا۔

یہ کام تو عالمانِ نکتہ رس کا تھا، نہ کہ مجھ جیسے پابند ہوس کا۔

لیکن ان چیزوں کے میرے لکھنے کا مقصد دین کے مقابلے میں نظریہ ارتقا کی حمایت نہیں۔

کیونکہ قرآن تو سربسر گفتارِحق ہے اور عالمِ مادی کردارِ حق (خدا کی تخلیق)

اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ میری طرح خدا کے قول و فعل میں بھی تضاد ہو (نعوذ باللہ)۔

(اس کتاب کا موضوع چونکه تخلیق ہے اسلیے) ہم شروع ماده کی تخلیق سے کرین گے اور رفته رفته تفریعِ فروع (زندگی کی انواع میں تقسیم) تک پہنچیں گے۔

تخلیق و ارتقا کے ہر مرحلے کے بارے میں میں آپ کو کلام پاک کے متعلقه ارشادات سے اگاه کرتا رہوں گا۔

اور یه تمام راز ہمیں کسی اور نے نہیں خود رسول برحق صلی اللہ علیه والسلام نے ہی بتائے ہیں۔

میں نے کتاب کا مقصد تو بیان کردیا۔ اب خدا سے دعا ہے مجھے کامیاب کرے۔

میں تو بس ایک کم علم و کم فہم بنده ہوں اور علم کے خرمن کا خوشه چین۔

اور یه حقیقت ہے که خوشه چین کبھی دولت مند نہیں بن سکتا اور خرمن کے مالک کے سامنے فقیر ہی رہتا ہے۔

(اس لیے تمہیں میری نصیحت ہے که) تو میری طرح میدان سخن کا بن کر نه ره جا۔ بلکه مرد بن اور اختراعِ نو کے میدان میں قدم رکھ۔

میں تو اس میدان (شعر و شاعری) کا بھی نو اموز ہوں اور کوئی دعویٰ نہیں رکھتا۔

میں تو بس ایک سرسری سی کتاب لکھنے جارہا ہوں۔ تاکه کسی مبتدی کی رہنمائی ہوسکے۔

میں نے یه سارے مضامین حکیمانِ فرنگ کی کتابوں سے اخذ کیے ہیں۔

البته لغت کے معاملے میں مجھے استاذ محترم مولوی عبد الرحیم کی امداد حاصل رہی۔

بہت سے مطالب کی تشریح کے لیے مجھے تذکره (مصنف علامه مشرقی) سے مدد ملی۔

میں نے سارے مطالب مختف مآخذ سے اخز کیے ہیں اور میرا کام صرف ان کو کاغذ پر منتقل کرنا ہے۔

میری یه بحث مختصر ہی رہے گی کیونکه زیاده تشریح کا مقدور نہیں۔

ارتقا کے بیان سے پہلے نظام انجم کا تذکره ہوگا۔ پھر ہبوط کا اور جرثومے کی تخلیق کا۔

اس کے بعد پھر عروج کا تذکره ہوگا ، یہاں تک که آدم والا گھر کا دور آئے گا۔

اس راه میں رب العالمین کی یاوری کا طلبگار ہوں، جو خالقِ ارض و سماء ہے۔

میری راہ ہفتخوان سے بھی مشکل ہے۔ پس میری استعانت کر اے الٰہی۔

میں "بسم اللہ مجریہا" پڑھ کر اپنی کشتی دریا میں ڈالتا ہوں۔ اے خدا تو اپنا کرم کر۔

فصل دوم

نظام انجم

اور اس بارے میں حضرت محمدصلی اللہ علیہ والسلامؐ کا مشاہدہ

ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمات اللہ۔ ان اللہ عزیز حکیم۔

چیست این سقف بلند سادہ بیسیار نقش
زین معما ہیچ دانا در جہان آگاہ نیست

شب کو کچھ دیر سیر آسمان کر۔ اور ستاروں کے طلسم کا تماشا کر۔

تمہیں ہر سمت جلتے ہوئے چراغ نظر آئیں گے ۔ ہر ایک اپنی اپنی مستقل راہ چلتا ہوا۔

ان ستاروں کے درمیان تمہیں چند ایسے نظر آئیں گے جو سب سے الگ چلتی ہوئی (اپنی جگہ تبدیل کرتی) ہوں گی۔

ان مستقل ایک راہ چلنے والوں کو ثوابت کہ اور جگہ تبدیل کرنے والوں کو سیارہ۔

(یہ سب کیا ماجرا ہے) حافظ نے کہا ہے کہ اسے کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ یہ معما بس مشکل ہی ہے۔

میری تو عقل و فہم یہاں پہنچ کر سپر ڈال دیتے ہیں۔

اگرچہ شیرازی نے یہ کہ کر بات ختم کر دی، لیکن نومیدی تو گناہ عظیم ہے۔

اس لیے تو ہر "دم رب زدنی علماً " کا ورد کر اور "لا تقنطو" کا فرمان یاد رکھ۔

میں علماء کے قیاس کی بنیاد پر کہ رہا ہوں کہ تجھ پر یہ راز کھل جائیں۔

یہ جو سارے حرکت پذیر اجسام ہیں، یہ سارے ایک نظام سے منسلک ہیں۔

یہ سب ہماری سورج کے گرد گھومتے پھرتے ہیں۔

قرآن جو یہ کہتا ہے کہ "کل فی فلک یسبحون" اس کا یہی تو مطلب ہے۔

ہماری زمین بھی اسی نظام میں منسلک سورج کے گرد طواف کرتی رہتی ہے،

اس نظام کے وسط میں سورج ہے اور اس کے گرد سارا نظام۔

جو اجسام اس نظام میں شامل ہیں، اہل دانش نے ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی چار قریبی اور پانچ بیرونی سیارے۔

سورج کے گرد پہلے حلقے میں عطارد گردش کرتا ہے، پھر زہرہ کا نمبر آتا ہے۔

پھر زمین اور مریخ۔ یہی چار قریبی سیارے کہلاتے ہیں۔

عطارد کا فاصلہ سورج سے تین کروڑ ساٹھ لاکھ میل ہے۔

قطر اس سیارے کا تین ہزار تیس میل ہے۔

زہرہ کا فاصلہ سورج سے چھ کروڑ بہتر لاکھ میل ہے۔

اور قطر اس کا سات ہزار اور سات سو میل ہے۔

اور ہماری زمین سورج سے نو کروڑ اٹھائیس لاکھ نو ہزار میل دور ہے۔

مریخ کا فاصلہ سورج سے چودہ کروڑ پندرہ لاکھ میل ہے۔

اور مریخ کا قطر چار ہزار دو سو تیس میل ہے۔

مریخ کے بعد نظام شمسی کے وسط میں ایک وسیع خلا آتا ہے۔

اس میں چھوٹے چھوٹے سیارے گردش کرتے ہیں۔ جن کو ہم سیارچے کہ سکتے ہیں۔

ان میں سے کچھ تو شہاب ثاقب جیسے ہیں اور کچھ بڑے بھی۔

یہ سارے اپنے اپنے مدار میں گردش کرتے ہیں۔

سائنسدانوں کا خیال ہے کہ یہ کسی ٹوٹے ہوئے سیارے کے باقیات ہیں۔

شاید نظام شمسی میں ایک بڑا سیارہ اور بھی تھا جس کے یہ ٹکڑے ہیں۔

ان میں سے سب سے بڑے کا قطر پانچ سو میل ہے۔

سیارچوں سے بھرے اس خلا سے گزر کر ہم زیادہ بڑے، بیرونی سیاروں کے خطے میں داخل ہوتے ہیں۔
ان میں حسب ترتیب مشتری، زحل، نیپچون ، یورینس اور پلوٹو شامل ہیں۔
مشتری سورج سے اڑتالیس کروڑ تینتیس لاکھ میل دور ہے جبکہ اس کا قطر چھیاسی ہزار پانچ سو میل ہے۔
زحل سورج سے اٹھاسی کروڑ ساٹھ لاکھ میل کے فاصلے پر گردش کرتا ہے اور قطر اس کا تہتر ہزار میل بنتا ہے۔
زحل کے بعد ساتواں سیارہ یورینس آتا ہے۔ اس کا فاصلہ سورج سے ایک ارب اٹھتر کروڑ انیس لاکھ میل ہے۔ اور قطر اس کا اکتیس ہزار نو سو میل ہے۔
سورج کے خاندان کا اٹھواں رکن سیارہ نیپچون ہے۔ یہ سورج سے دو ارب ستانوے لاکھ سولہ ہزار میل دور ہے، اور اس کا اپنا قطر یورینس سے تین ہزار میل زیادہ ہے۔
نوین اور آخری سیارہ پلوٹو کا فاصلہ سورج سے تین ارب سڑسٹھ لاکھ میل ہے۔ اور جہاں تک اس کے قطر کا تعلق ہے تو اس کی صحیح پیمائش ابھی تک نہیں ہو سکی ہے۔
زمین کے بعد آنے والے چھ سیاروں کے ساتھ ہمارے چاند کو ملا لیں تو یہی ساتھ اجرام ہیں جنہیں قرآن میں "سبع شداد" کہا گیا ہے۔
ان کے علاوہ سورج کے قبیلے میں دمدار سیارے اور شہابیے بھی شامل ہیں، جن کا ذکر ایک الگ باب میں ہو گا۔
لیکن عہد قدیم کے حکماء کے نزدیک ہماری زمین ہی سات آسمانوں کا مرکز تھی، جن میں سے ہر آسمان درج بالا اجرام میں سے ہر ایک کے لیے مختص کر دی گئی تھی ۔
ان لوگوں نے ان آسمانوں کو شیشے کی طرح شفاف اور لوہے کی طرح سخت فرض کر لیا تھا۔
اور باقی رہے ثوابت ستارے، تو ان کے لیے ایک الگ آسمان فرض کر لیا گیا جسے "فلک الافلاک" کا نام دیا گیا تھا۔
انہوں نے ساتوں آسمانوں کو زمیں کے گرد گردان کر دیا اور زمین کو ان کا مرکز بنا دیا ، محض اس بنا پر که اس پر اشرف المخلوقات بستی ہے۔
یہ تمام مفروضہ انسان نے خود پسندی کی بنیادوں پر گڑھ لیا۔ یہاں تک که آسمان کو اپنا شمعدان قرار دیا۔
لیکن احمد آخر زمان صلی اللہ علیہ والسلام نے تو فرمایا ہے که ہماری دنیا کے علاوہ کئی دنیا اور بھی ہیں، جن میں خدا کی مخلوقات بستی ہیں۔ اور یہ که ہر دنیا کے اپنے آدم اور پیغمبر ہیں۔
چونکه اس زمانے کے لوگوں میں راز حق کی جستجو کا مادہ نہیں تھا، اس لیے کسی نے احمد مرسل صلی اللہ علیہ والسلام کے فرمان پر کان نہیں دھرا اور بطلیموس[۱۰] کی اندھی تقلید

کرتے رہے۔
ہم نے حکمت شمع کو روشن رکھنے کی کوشش نہیں کی اس لیے ان ہمیں مغرب سے روشنی ادھار لینی پڑی ہے۔
(اب ہم دوبارہ اجرام فلکی کی طرف آتے ہیں) سیاروں کی بات ختم ہو گئی اور رہ جاتے ہیں ستارے (ثوابت)۔
ہم اگر ان ستاروں کی تعداد بیان کرنا چاہیں تو یہ ممکن نہیں ، کیونکہ یہ صحرا کی ریت کے ذروں سے بھی زیادہ ہیں۔
یہ سارے ستارے ہماری سورج کی طرح ہیں، بھڑکتے شعلوں اور روشنی سے بھرپور۔
اسی لیے قرآن نے سورج کو سراج کہا ہے تو ستاروں کو مصابیح۔ دونوں کے معنی چراغ کے ہیں۔
ان میں سے بعض ستارے اتنے بڑے ہیں کہ ان کا قطر تیس کروڑ میل بتایا جاتا ہے۔
ہمارے سورج کا قطر نو لاکھ میل سے بھی کم ہے۔ اس سے آپ ان کی جسامت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔
اور ان کی حرارت کا یہ عالم ہے کہ تین ہزار ڈگری تک جا پہنچتا ہے۔
اب یہ جاننے کے بعد دوزخ کا منکر کیا کہے گا۔
اس ستاروں میں سے جو ہمارا سب سے قریبی ہمسایہ ہے، اس کا فاصلہ ہم سے چار نوری سال ہے[11]۔

باقی ستارے تو ہم سے اتنی دوری پر ہیں کہ فاصلہ ہزاروں نوری سال تک جا پہنچتا ہے۔
یہی حال ان ستاروں کے آپس کے فاصلوں کا ہے۔ اس سے خدا کی خلقت کی وسعت کا اندازہ لگانے کی کوشش کیجیے۔
یاد رہے کہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار تین سو بیس میل فی سیکنڈ ہے۔ اس رفتار سے روشنی جو فاصلہ ایک سال میں طے کرتی ہے وہ نوری سال کہلاتی ہے۔
ہماری کہکشاں میں، کہا جاتا ہے کہ کوئی تین ارب ستارے ہیں۔ کہکشاں کی شکل ایک طشتری جیسی بتائی جاتی ہے، جس کا قطر تین ہزار نوری سال ہے۔
اور اگر اس کہکشاں کے نظام کو دیکھیں تو یہ خود بھی گردش میں ہے۔
دور بین میں دیکھیں تو ہماری کہکشاں سے باہر اور بھی کہکشائیں خلا میں منتشر نظر آتی ہیں۔
یہ کہکشائیں ہم سے کروڑوں نوری سال کے فاصلے پر ہیں۔
اب عقل کیسے تسلیم کرے گی کہ ان کے اندر جو بے شمار ستارے ہیں وہ سب اپنی جگہ

اکیلے ہیں اور ان کے گرد کوئی سیارہ نہیں گھومتا۔
غالباً ان میں سے اکثر کے اپنے سیارے ہیں جو ان کے گرد چکر لگاتے ہیں۔
ان میں سے ہر ایک ستارہ ہمارے سورج کی طرح ایک نظام شمسی کا مرکز ہو گا۔
اب اگر ہمارا سورج مع اپنے جملہ سیاروں کے صفحہ ہستی سے مٹ جائے، تو ہمارے لیے قیامت واقع ہو جائے گی۔ لیکن ان باقی دنیاؤں کا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔
اگر پھر بھی کوئی کہتا ہے کہ ہماری زمیں کے علاوہ اور کہیں اور زندگی محال ہے تو تو کہ دے کہ یہ بات تو شان کبریا کے منافی ہے ۔ اگر ایک زمین پر ہی زندگی پیدا کرنی تھی تو اتنے سارے اجرام کیوں پیدا کیے۔
ایسے عقائد رکھنا روا نہیں۔ ایسے عقائد تو نصرانیوں کے ہاں پائے جاتے ہیں ، جن میں اتنی صلاحیت نہیں تھی علم دین اور حکمت کو ساتھ ساتھ چلاتے۔
ہمارے رہبر کامل صلی اللہ علیہ والسلام نے تو یہ نکتہ سر بسر حل کر دیا ہے۔
شب معراج کو شاہ دوسرا صلی اللہ علیہ والسلام نے بحکم خداوندی یہ ماجرا دیکھا کہ اونٹوں کی ایک قطار جا رہی ہے، جس کی تعداد کا کوئی شمار نہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ والسلام کو بتایا گیا کہ قطار صبح ازل سے اسی طرح جاری ہے اور اس میں کبھی کوئی خلل نہیں پڑا۔
ہر اونٹ کی پشت پر صندوق لدے ہوئے تھے۔
حضور صلی اللہ علیہ والسلام نے ایک اونٹ کا بوجھ اتروا کر دیکھا تو صندوقوں میں تربوز تھے اور ہر تربوز جسامت میں ہماری دنیا کے برابر۔
ہر ایک میں دنیا کی طرح کوہ و دشت تھے اور مخلوقات آباد تھیں۔
پس اے معترض، یاد کر " علیٰ قدر عقول" کے نکتے کو۔
اور جان لے کہ اس حدیث پاک نے راز عالم سراسر حل کر دیا۔
تو سیاروں کو غور سے دیکھ لے کہ کیا ان سب کی شکل تربوز جیسی نہیں ہے؟
اور اونٹوں کی قطار اور بار شتر کا مطلب ایک نظام ہی تو ہے، جس میں سیارے منسلک ہیں۔
ایسی چیزوں تک بھلا عقل انسانی کی رسائی کہاں۔
میں نظام شمسی کا بیان اس لئے کرتا ہوں کہ میرے مطلب تک پہنچنے میں آسانی پیدا ہو۔

نوٹس

۱۔ حافظ شیرازی: چودھوین صدی عیسوی کے فارسی شاعر۔ وہ اب بھی فارسی دنیا کے مقبول ترین شاعر ہیں۔ ان کے موضوعات تصوف، محبت اور دنیا کی بے ثباتی ہیں۔ اقبال اور بعض دوسرے مفکرین کے نزدیک مسلمانوں میں بے عملی کے رجحانات کے فروع میں حافظ کے کلام کا بڑا ہاتھ ہے۔

۲۔ ابو حامد محمد الغزالی (۱۰۵۸- ۱۱۱۱):مسلم عالم، صوفی اور فلسفی۔ انہوں نے اسلام پر پڑنے والے یونانی اثرات کو مٹانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

۳۔ ابو نصر فارابی (۸۷۵- ۹۵۰): عظیم مسلم فلسفی۔ انہوں نے فلسفہ، منطق، سیاسیات، اخلاقیات، موسیقی، طبعیات، کیمیا، العرض مروجہ علوم کے ہر شعبے میں گرانقدر اضافے کیے۔

۴۔ بو علی سینا (۹۸۰- ۱۰۳۰): فلسفی اور طبیب۔ مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے قدیم یونانی علوم کو نہ صرف زندہ کیا بلکہ ان کو نئی ان و تاب بخشی، ان میں بوعلی سینا کا نام سر فہرست ہے۔ خصوصاً علم طب کو سائنسی بنیادین فراہم کرنے کے سلسلے میں ان کے کردار کو یورپ بھی تسلیم کرتا ہے۔ ان کی کتابیں ماضی قریب تک یورپ میں حرف آخر سمجھی جاتی تھیں۔

۵۔ ایران شہری: ایک ایرانی فلسفی ، جو مسائل تخلیق، خصوصاً ہیولا کے لیے مشہور تھا۔

۶۔ مولانا جلال الدین رومی: تیرہوین صدی عیسوی کے عظیم مسلمان صوفی شاعر۔ ان کی کتاب "مثنوی معنوی" دنیا کی عظیم ترین کتابوں کی صف میں نمایاں جگہ رکھتی ہے۔ اس کتاب نے بعد کے زمانوں کی اسلامی فکر پر گہرے اثرات ڈالے۔

۷۔ افلاطون و ارسطو کے پرانے علم سے مراد قدیم یونانی فلسفہ ہے، جس کی بنیاد عقل محض (Pure Reason) پر تھی۔ یعنی یہ سمجھا جاتا تھا کہ ہر قسم کا علم محض عقل سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس سسٹم میں مشاہدے اور تجربے کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ اس کے مقابلے میں جدید سائنس اور فلسفے کی بنیاد مشاہدے اور تجربے (Empiricism) پر رکھی گئی ہے۔

۸۔ کوہ قاف: بحیرہ کیسپین اور بحیرہ اسود کے درمیان پہاڑی خطہ۔ یہ پہاڑ زمانہ قدیم میں بے شمار توہمات، عقاید اور حکایات کا موضوع رہے ہیں۔ ان میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ یہ پہاڑ آسمان کو ستون کی طرح تھامے ہوئے ہیں۔

۹۔ انگریز مفکر Charles Darwin : جس کے نظریہ ارتقا ء نے جدید سائنسی ذہن کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اس نے انیسوین صدی کے آغاز میں ایک سمندری جہاز میں دنیا کے مختلف خطوں کا سفر کیا۔ جس کے دوران اس نے زندگی کی مختلف انواع کا مشاہدہ کیا۔ اپنے مشاہدات کے نتائج کو اس نے ایک کتاب کی صورت میں مدون کیا، جس کا نام اس نے On the Origin of Species رکھا۔ یہ کتاب ۱۸۵۹ میں شائع ہوئی اور سخت متنازعہ ثابت ہوئی۔ اس کابنیادی دعویٰ یہ تھا کہ تمام جانداروں، بشمول انسان کی اصل ایک ہے اور ان کی مختلف اقسام ارتقاء اور فطری انتخاب کے نتیجے میں وجود میں آئی ہیں۔ یہ طرز فکر تقریبا تمام مذاہب کے عقائد کے خلاف تھی، اس لیے اس کی سخت مزاحمت ہوئی اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ خود اس نظریے کے اندر ایسی کمزوریاں تھیں کہ اس کے حامیوں کو ہمیشہ مشکلات کا سامنا رہا ہے۔ ان سب کے باوجود اس کے مقابلے میں کوئی باقاعدہ سائنٹفیک نظریہ نہ ہونے کی وجہ سے عملی مقاصد کے لیے اسی سے کام چلایا جاتا رہا ہے۔

۱۰۔ بطلیموس (Ptolemy): دوسری صدی عیسوی کایونانی نژاد مصری ہیئت دان، ریاضی دان اور جعرافیہ دان۔ اس کے نظریات کو یونانی سائنسی فکر کی انتہائی ترقی یافتہ صورت کہا جاتا ہے۔ اس نے علم ہیئت کو ریاضی کے اصولوں پر استوار کرنے کی طرح ڈالی۔ ان کی کتاب مجسطی Almagest کو طویل عرصے تک علم ہئیت میں سند کا درجہ حاصل رہا۔ بطلیموس نے زمین کو کائنات کا مرکز قرار دیا اور اس کے ماڈل کے مطابق تمام اجرام فلکی زمین کے گرد گھومتے ہیں۔ مسلمان ہئیت دان بھی باقی دنیا کی طرح مجسطی کے نظریات کو بنیاد مانتے تھے۔ بطلیموسی نظریات کو اس وقت شدید زک پہنچا، جب پہلے کوپرنیکس (۱۴۷۳ - ۱۵۴۳) اور پھر گیلیلیو (۱۵۶۴- ۱۶۴۲) نے ثابت کیا کہ زمین کائنات کا مرکز نہیں بلکہ سورج کے گرد گھومنے والا ایک معمولی سیارہ ہے۔

۱۱۔ ہمارے سورج کے قریب ترین ستارے کا نام Proxima Centauri ہے جو ہم سے 4.22 نوری سال کے فاصلے پر ہے۔